ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

وفاقی شرعی عدالت کا فقہی منہج: تحقیقی مطالعہ

Jurisprudence of the Federal Sharia Court: A Research Study

☆**عصمت علی خان:** پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ شریعہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

☆☆**عبید اللہ:** پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ شریعہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

Abstract

This research investigates the jurisprudential approach of the Federal Shariah Court within the Pakistani legal system. Key objectives include exploring the court's guiding principles, analyzing its composition and structure, and examining the implementation of Shariah principles in its procedures and decisions. By addressing the question of how Shariah principles are applied within the Pakistani legal framework, this study aims to elucidate the concurrences and disparities between Shariah jurisprudence and the legal system. Employing a qualitative research methodology involving literature review, analysis of court decisions, and interviews with legal experts, this research contributes to a deeper understanding of the interaction between Shariah jurisprudence and the legal framework in Pakistan.

Keywords: Federal Shariah Court, jurisprudential approach, Pakistan, legal system, court composition, Shariah principles implementation, Shariah jurisprudence.

تمہید

قضاء ایک غیر معمولی اہمیت کا ادارہ ہے۔ اور قیام عدل اس ادارے کی موضوع ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے جس بھی بندے کو انسانوں کی راہنمائی کیلئے مبعوث فرمایا ہے اسے عدل وانصاف قائم کرنے کی حکم دی ہے۔[1]

رسول کریم ﷺ خود اس فریضہ کو تاحیات ادا کرتے رہے۔ اور اہل ایمان کو اللہ تعالی نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنے جملہ تنازعات میں حضور ﷺ کو حاکم و قاضی مانیں اور ان کے فیصلوں کو برضا ورغبت قبول کریں ورنہ ایمان باقی نہیں رہے گا۔[2] آپ ﷺ نے اپنے حیات مبارکہ میں اس فریضہ کی ادائیگی کیلئے اہل افراد بھی تیار کئے۔ بہت سے صحابہ کرام نے عہد نبوی ﷺ میں منصب قضاء کی ذمہ داریاں انجام دیں۔ اکابر صحابہ میں سیدنا حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت عمرؓ بن الخطاب حضرت ابو موسی اشعری، حضرت عقبہ بن عامر الجہنی، حضرت معاذ ابن جبل ، حضرت معقل بن یسار، حضرت عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم فقہاء و مجتہدین اور اصحاب افتاء و قضاء کیلئے نمونہ اور قدوہ ہیں۔

قانون کی غرض وغائت اور اصل الاصول انصاف رسانی ہے۔ قوانین عموماً عام اصولوں، ضابطہ کار اور قواعد وکلیات پر مشتمل ہوتا ہے ۔ یہ قوانین ہر قسم کے حادثات، اور اس کے اجزاء اور ذیلی مسائل پر احاطہ نہیں کرسکتے اسلئے قانون کے تعبیر و تشریح اور نفاذ کا معاملہ قاضی کے

[1] النساء4:58، النحل14:74، 90، الجرات49:9، المائدہ5:8، الانعام4:152، الشوری42:15

[2] سورہ النساء:45

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

سپرد ہوتا ہے۔ وہ ان جزوی یا خصوصی مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ ان واقعات پر مروجہ قوانین تطبیق کریں یا قانون کے روح کے مطابق اجتہاد کر کے نئے قواعد وضع کریں۔ اسلامی تاریخ قضاء میں اس کی بڑی مثالیں ملتی ہیں۔ جدید فروعی مسائل میں قاضیوں کے یہی فیصلے بنیاد فراہم کرتا ہے۔

برصغیر کا عدالتی نظام

برصغیر پاک وہند میں انگریزوں کے تسلط سے قبل اسلامی قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے تھے۔ اس وقت کی حکمرانوں نے انصاف رسانی کو اپنے اوپر لازم قرار دیا تھا۔ ان کا نعرہ تھا "لازم دین حق داد دہی وانصاف سلطنت است" شیر شاہ کہا کرتے تھے "عبادت کا کوئی پہاڑ انصاف کے برابر نہیں ہو سکتا"[3] اور اس دور میں درج ذیل عدالتی ادارے کام کرتے تھے ۔

1. شاہی عدالت:

اس کے سربراہ سلطان خود ہوتے تھے۔ اور ہر قسم کے مقدمات کی سماعت کرتے تھے۔

2. دارالعدالت یا عدالت امیر داد:

یہ عدالت فوجداری مقدمات کی سماعت کرتی تھی۔ اس کو عدالت صدر جہاں بھی کہا جاتا تھا.

3. عدالت نائب امیر داد:

ہر صوبے میں امیر داد کا ایک نائب ہوتا تھا جو امیر داد کی جگہ فوجداری مقدمات کی سماعت کرتا تھا ۔

مغلیہ دور میں عدالت ایک اہم ادارہ تھا۔ بادشاہ خود فیصلے کرتا تھا۔ اور اس کی عدالت ایک قسم کی عدالت اپیل ہوتی تھی، مغلیہ دور کی عدالتی نظام کے درج ذیل تین بڑے شعبے تھے۔

1- عدالت مذہبی قوانین:

اس ادارے کا سربراہ قاضی ہوتا تھا۔ قاضی فوجداری اور دیوانی دونوں قسم کے مقدمات کی سماعت کرتا تھا۔ اور اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ دیتا تھا

2- عدالت سیکولر قوانین:

اس ادارے کا سربراہ گورنر فوجدار یا کوتوال ہوتا تھا۔ اکبر کے زمانے میں اس شعبہ کے تحت ہندوں کے مقدمات فیصلہ کرنے کیلئے برہمنوں کی تقرریاں کی گئی تھی۔ تاکہ وہ ان کے مقدمات میں فیصلہ دیں، یہ سیکولر عدالت قاضی کے ماتحت نہیں ہوتا تھا ۔

3- سیاسی عدالت:

ان عدالتوں کے سربراہ صوبیدار فوجدار، کوتوال یا شقدار ہوا کرتا تھا۔ یہ عدالتیں، بغاوت، ڈکیتی، چوری اور قتل کے مقدمات کی سماعت کرتی تھیں۔

[3] Muhammad Bashir Ahmad: Judicial System of the Mughul Empire Karachi, 1978, P.172

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اس دور میں قرآن، سنت اقوال صحابہ، اجماع اور اجتہاد کو اہمیت حاصل تھی اور اس کے مطابق فیصلے صادر کئے جاتے تھے ۔ انگریزوں کے آنے کے بعد بھی مغلیہ طرز کی عدالتیں قائم تھی اور دو قسم کے اعلی عدالتیں ہوا کرتے تھے جو اپنے ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیل کی سماعت کیا کرتے تھے ۔

1) صدر دیوانی عدالت:

یہ عدالت گورنر اور اس کے کونسل کے ارکان پر مشتمل ہوتا تھا۔ یہ ضلعی دیوانی عدالت کے خلاف اپیل سن سکتی تھی۔

2) صدر نظامت عدالت:

اس کے قاضی ہندوستانی ہوتے تھے جنہیں داروغہ عدالت کہا جاتا تھا۔ قاضی القضاۃ، مفتی اعظم اور تین علماء اس کے معاون ہوتے تھے۔ اس عدالت کے ارکان کی تعیناتی نواب کرتے تھے۔ یہ عدالت ضلعی فوجداری عدالت کے فیصلوں کے خلاف اپیل سن سکتی تھی اور اس طرح اموال کی ضبطگی اور سزائے موت کی توثیق کرتے تھے ۔

جنگ آزادی 1857ء سے مسلمانان برصغیر مسلسل آزادی اور احیاء اسلام کی جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ اور یہ سلسلہ مسلمانون کے ایک جداگانہ وطن پاکستان کے حصول پر منتج ہوا۔ پاکستان کا مقصد تخلیق ایک ایسی اسلامی ریاست کا قیام تھا جن میں برصغیر کے مسلمان اپنی زندگیاں اسلام کے مطابق بسر کر سکیں۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے وقت آزادی ہند ایکٹ 1947ء کے تحت گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کو پاکستان کے عارضی دستور کا درجہ دے دیا گیا یہ ایک برطانوی شہنشاہی آئین تھا ۔

مذکورہ ایکٹ کا حصہ نمبر 9 عدلیہ سے متعلق ہے ۔ اس ایکٹ کے تحت پاکستان کی اعلی عدلیہ ، فیڈرل کورٹ اور ہائیکورٹ پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد پاکستان میں متعدد دساتیر یکے بعد دیگرے نافذ رہے۔ اس وقت دستور پاکستان 1973ء رائج ہے۔ اس دستور کا حصہ نمبر 7 عدلیہ سے متعلق ہے ۔

پاکستان کا عدالتی نظام

دستور پاکستان کی دفعہ 175 کے تحت پاکستان کی ایک عدالت عظمی اور ہر صوبے کیلئے ایک عدالت عالیہ اور ایسی دوسری عدالتیں ہونگی جو قانون کے ذریعے قائم کی جائے گی۔ آرٹیکل نمبر 184 کے تحت عدالت عظمی کو ابتدائی اختیارات سماعت، آرٹیکل نمبر 185 کے تحت سماعت اپیل، آرٹیکل 186 کے تحت مشاورتی اختیار سماعت حاصل ہیں عدالت عظمی کو آرٹیکل 187 تا 191 کے تحت اپنے فیصلوں پر نظر ثانی، ماتحت عدالتوں کیلئے عدالت عظمی کے فیصلوں کی پابندی وغیرہ کے احکام کا ذکر ہے ۔

پاکستان کے چاروں صوبوں میں ایک ایک عدالت عالیہ قائم ہے اس عدالت کے اختیارات کی بھی دستور پاکستان کے دفعات 199 تا 203 میں بیان کی گئی ہے ۔ اور اس طرح ضلع سطح پر سیشن کورٹ / ضلع قاضی اور نچلی سطح پر علاقہ قاضی / سول جج اور جوڈیشل مجسٹریٹ کی عدالتیں کام کرتی ہیں ۔

حصول پاکستان کا مقصد اسلامی احکام کا نفاذ

پاکستان کے مختلف دساتیر میں اس امر کی ضمانت فراہم کرنے کے لئے کہ نوبہ نو تشکیل پانے والے قانون ساز ادارے مذکورہ تقاضوں کو پورا کرتے رہیں گے ، ایسے ادارہ کی تشکیل پر زور دیا جاتا رہا ہے، جو صدر مملکت یا قانون ساز اداروں کو اس معاملے میں راہنمائی فراہم کرے کہ

مروجہ یا مجوزہ قوانین اسلام کے اصل سرچشمہ یعنی قرآن وسنت کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کس حد تک ناکام رہے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی ان دساتیر نے قانون ساز اداروں کے تفوق کو بحال رکھا ہے۔اور انہیں ایک ایسے معزز ادارے کے مشوروں کا پابند نہیں قرار دیا جو اعلی عدالتوں کے ججوں اور مشہور علماء پر مشتمل ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مقاصد جن کے حصول کے لئے قیام پاکستان کی جدوجہد کی گئی تھی ، سینکڑوں، ہزاروں لوگوں نے اپنی جانیں قربان کی تھیں، جان ومال وعزت وآبرو کے لاکھوں زخم سہے تھے ان کی آرزوئیں تشنہ تکمیل رہیں، البتہ شعور وادراک سے بہرہ ور پاکستانی قوم نے ان مقاصد کے حصول کے لئے اپنی جدوجہد رواں دواں رکھی۔

پاکستان کے آئین 1973ء کی دفعہ نمبر 227، اس امر کی متقاضی ہے کہ تمام مروجہ قوانین اسلامی تعلیمات کے مطابق بنائے جائیں اور کوئی بھی قانون ان تعلیمات کے منافی وضع نہ کیا جائے۔اس مقصد کے حصول کے لئے اس دفعہ میں اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل تجویز کی گئی ، اور دستور کی دفعہ 230، میں اس کے فرائض بیان کر دیئے گئے۔ لیکن کونسل کے اس فرض منصبی کے علاوہ کہ وہ پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے ان اسلامی تعلیمات پر مشتمل جنہیں قانونی صورت دی جاسکے، اور ایک موزوں مجموعہ مرتب کرے گی، اس کے فرائض محض مشاورتی اور سفارشی ہیں، بہر حال اس مقصد کے لئے سات سال کی مدت متعین کر دی گئی تھی کہ کونسل موجودہ قوانین کے بارے میں اور پالیمان اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے اپنی تجاویز وسفارشات پیش کر دے گا کہ اسمبلیاں ایسے ذرائع دریافت کر سکیں، جس سے مسلمانان پاکستان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے مطابق بسر کر سکیں، اور زندگی کے ہر معاملے میں قرآن وسنت میں بیان کردہ اسلامی اصولوں اور تصورات کی پوری طرح پیروی کر سکیں۔کونسل نے اس مقصد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے قوانین پر نظر ثانی کی، مگر اس کی کم ہی سفارشات قانونی صورت حاصل کر سکیں۔

1977ء میں حکومت نے نفاذ اسلام کے عمل کو ملک میں اولین ترجیح عطا کی، اور اس مقصد کے حصول کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل اور دیگر اداروں کو زیادہ متحرک اور فعال بنایا۔

وفاقی شرعی عدالت

1979ء میں اسلامائزیشن کے عمل کو تیز اور موثر بنانے کیلئے ہر ہائی کورٹ میں تین ججوں پر مشتمل شریعت بنچ قائم کئے گئے اور سپریم کورٹ میں ایک شریعت اپیلٹ بنچ کا قیام عمل میں لایا گیا، یہ بنچ بھی تین ججوں پر مشتمل تھا، ان بنچوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ اگر ان کے سامنے ملک کے کسی قانون کے خلاف یہ دعوی کیا جائے کہ یہ قرآن وسنت کی روح کے خلاف ہے، تو عدالت سماعت کے بعد اگر قانون کو قرآن وسنت کے مخالف پاویں تو اس میں ترمیم کا حکم جاری کرینگے، چند قوانین کو مخصوص عرصہ کیلئے ان بنچوں کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا گیا ہے۔[4]

بعد میں محسوس کیا گیا کہ اسلامی نظام کے نفاذ کا معاملے ان بنچوں کے ذریعے تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا ہے اس لیے 26 مئی 1980ء کو فیڈرل شریعت کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔[5] ہر ہائی کورٹ سے ایک جج لیکر ممبر بنایا گیا، اس کا چیئرمین سپریم کورٹ کے اسٹیٹس کا ایک جج مقرر کیا گیا، اور جو مقدمات ہائی کورٹوں کے شریعت بنچوں کے سامنے التواء میں پڑے تھے اس عدالت کو منتقل کئے گئے، جن کا فیصلہ 1981ء کے ابتداء ہی میں کر دیا گیا۔

---

[4] دستور پاکستان آرٹیکل 203۔ڈی۔

[5] فرمان صدر نمبر 1 مجریہ 1980ء آرٹیکل نمبر 3

وفاقی شرعی عدالت نے بہت وقیع اور دور رس نتائج کا حامل جو کام کیا ہے وہ ذاتی اختیارات (SUO MOTO POWER) کے تحت ملک میں مروج تمام وفاقی اور صوبائی قوانین کا اس حیثیت سے جائزہ لیا ہے کہ آیا وہ قوانین یا ان کا کوئی حصہ قرآن و سنت سے متصادم تو نہیں ہے۔ چنانچہ وفاقی شرعی عدالت نے از خود اختیار سماعت کے تحت 1982ء اور 1983ء میں کل تقریباً 506 وفاقی قوانین کا جائزہ لیا۔ جن میں 457 قوانین قرآن و سنت سے متصادم نہیں پائے گئے جبکہ 49 قوانین کی بعض دفعات قرآن و سنت سے متعارض پائی گئیں۔ صوبائی قوانین کے جائزے کے سلسلے میں صوبے پنجاب کے 311، صوبہ سندھ کے 207، صوبہ سرحد 303 اور صوبہ بلوچستان کے 178 قوانین کا جائزہ لیا گیا، اس طرح ان صوبائی قوانین کی تعداد 999 بنتی ہے جن میں صرف 212 قوانین کی بعض دفعات قرآن و سنت سے متصادم قرار دی گئیں اور ان میں قرآن و سنت کے مطابق ترمیمات کے احکامات صادر کئے گئے ۔

امر واقعہ یہ ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ جیسے با اختیار ادارے کا قیام ایک ایسا اسلامی انقلابی کام ہے جسکی نظیر ماضی کی طویل تاریخ میں نہیں ملتی ہے، اس ادارہ کے قیام نے دنیا پر واضح کر دیا ہے کہ اس دور میں بھی صرف اسلامی قانون ہی کامیاب ہو سکتا ہے، اس عدالت کی جڑوں کو مستحکم اور اسکے دائرہ اختیار کو وسیع کرنا چاہیئے، اور انشاء اللہ امت مسلمہ کی خواہش اور اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کی زمین پر صرف اللہ ہی کا قانون نافذ ہو گا ۔

وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات:

دستور پاکستان کے حصہ ہفتم باب سوم آرٹیکل 203(د) میں وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات بیان ہوئی ہیں۔ مذکورہ آرٹیکل کے رو سے عدالت کو تین قسم کے اختیارات حاصل ہیں ۔

دائرہ اختیار۔ فوجداری:

قوانین حدود کے تحت دائر کئے گئے مقدمات میں وفاقی شرعی عدالت کو اپیل کی سماعت اور ضمانت کا اختیار حاصل ہے۔ حدود کے قوانین میں ترمیم کے ذریعے حدود کے تمام قابل حد مقدمات کی سماعت سیشن جج کرتے ہیں۔ جرم زنا حکمنامہ نفاذ ہفتم مجریہ 1979 کی رو سے سیشن ججوں کے وہ فیصلے جن میں انہوں نے تعزیر کے تحت سزائیں دی ہوں انہیں بھی وفاقی شرعی عدالت میں اپیل کے قابل قرار دیا گیا ہے، 1983ء میں اس عدالت کو یہ اختیار بھی دیا گیا کہ وہ ملک میں ماتحت فوجداری عدالتوں میں ہونے والے ان فیصلوں کا ریکارڈ طلب کر سکتی ہے، جن کا تعلق حدود کے قوانین کے نفاذ سے ہو، تاکہ عدالت یہ اطمینان حاصل کر سکے کہ متعلقہ فیصلہ درست، قانون کے مطابق، حقائق سے ہم آہنگ اور سزا متعلقہ فیصلہ اور ریکارڈ کے مطابق ہے۔ نیز طریقہ کار متعلقہ عدالت کے قواعد و ضوابط کے مطابق اختیار کیا گیا ہے۔ ان حالات میں وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار ہے کہ جب تک وہ اس ریکارڈ کا جائزہ لے وہ سزا کو ملتوی کرنے اور ملزم کے قید میں ہونے کی صورت میں اس کی ضمانت یا اس کو اپنے اقرار نامہ پر رہا کرنے کا حکم دے سکتی ہے۔ عدالت ملزم کو صفائی کا موقعہ فراہم کرنے کے بعد ان احکامات میں ایسی تبدیلی بھی کر سکتی ہے، اور ملزم کو صفائی کا موقعہ دیتے ہوئے کسی الزام میں رہائی کی گنجائش پاتے ہوئے سزا کو رہائی میں بدل سکتی ہے۔[6]

[6] آرٹیکل 203۔(دد)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اختیار نظر ثانی

1981ء کے ایک اور ترمیمی حکم کے ذریعے سے اس عدالت کو نظر ثانی کے بھی اختیار عطا کر دیئے، اور اس کے دستور میں بھی کچھ تبدیلیاں کی گئیں۔ اراکین کی موجودہ چار کی تعداد میں تین علماء اراکین کا اضافہ کیا گیا، اور اسطرح ججوں کی تعداد چار سے سات ہو گئی۔ جو علماء اس عدالت میں بحیثیت رکن شامل ہوئے وہ مذہبی تعلیم میں دسترس کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی کی اعلیٰ ڈگریاں بھی رکھتے ہیں۔[7]

دائرہ اختیار میں وسعت:

آخری ترامیم جو بہت اہمیت کی حامل ہیں، فروری 1982ء میں شامل کی گئیں، یہ ترامیم جو عدالت کے دائرہ اختیار میں اضافہ کرتی ہیں، اور اس کے عمل کو تیز اور موثر بناتی ہیں، اور زیادہ وسیع بنیادوں پر قائم کرتی ہیں، ان کی چند اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں: ۔

الف۔ دستور کی دفعہ نمبر 203۔ د، میں ایک ترمیم کے ذریعے عدالت کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ شریعت درخواستوں کے ساتھ ساتھ اپنے دائرہ اختیار خود سماعت میں بھی کام کر سکتی ہے۔ اور اس طرح عدالتی نظر ثانی کی حدود میں مزید اضافہ ہو گیا۔

ب۔ عدالت کو قوانین حدود کے تحت اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کا اختیار بھی حاصل ہوا جس سے عدالت کے خود اختیار سماعت کے فیصلے پر نظر ثانی کا اختیار حاصل ہوا، جس میں قوانین حدود اور ملزم کی سزا میں اضافہ کا اختیار بھی شامل ہے۔

ج۔ قوانین حدود کی اپیل کا دائرہ اختیار بھی وسیع کر دیا گیا، تاکہ عدالتوں کے وہ تمام فیصلے جن میں کسی حد یا تعزیر کے تحت دو یا دو سال سے زائد سزا دی گئی ہو وہ اس عدالت میں قابل اپیل قرار پائے۔[8]

قوانین پر عدالتی نظر ثانی کی اہمیت: ۔

قوانین میں عدالتی نظر ثانی کا تصور صرف تحریری دساتیر میں پایا جاتا ہے۔ قانون کی تعریف کی رو سے قانون سازی کے جملہ اختیارات ہیئت مقتدرہ کے سپرد ہیں، قوانین کے عدالتی نظر ثانی سے مبرا ہونے کی سب سے عمدہ مثال انگریزوں کے تحریری دستور میں ملتی ہے، انگریزی عدالتیں پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کی پابند ہوتی ہیں، انہیں پارلیمنٹ کے اختیارات پر اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا ۔ جس کی وجہ صاف واضح ہے جو یہ ہے کہ انگریزی نظام میں ایسی کوئی روایت یا ایسا کوئی بالاتر اختیار موجود نہیں ہے جو بادشاہ یا ملکہ کے تشکیل دیئے ہوئے پارلیمنٹ پر فوقیت رکھتا ہو، یہی وجہ ہے کہ انگریزی قانون برطانیہ کی عدالتوں کو انہی حدود کا پابند قرار دیتا ہے جو تحریری دستور نے وہاں کی عدالتوں کے لئے وضع کر دی ہیں۔ مزید یہ کہ وہاں قانون سازی کے دائرے میں کسی بیرونی اختیار کی چنداں ضرورت ہی نہیں ہے، مثلاً یہ کہ عدالتیں جو لوگوں کے درمیان اور حکومت اور لوگوں کے درمیان انصاف کی فراہمی کا فریضہ انجام دیتی ہیں، انہیں قوانین کو کالعدم قرار دینے کا اختیار نہیں ہے۔ ایک بااختیار قانون ساز ادارہ بہر حال وفاقی طرز حکومت میں اس امر کا استثنا بھی کر سکتا ہے، کہ قانون سازی کا اختیار وفاق اور اس کی تشکیل دینے والی ریاستوں اور صوبوں کے درمیان تقسیم ہو جائے۔ حکومت میں ہم آہنگی اور حسن انتظام کی غرض کسی ایک جانب سے ہونے والی زیادتی کا سد باب بھی کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کی رو سے اقتدار اعلیٰ صرف اللہ ہی کو حاصل ہے، اور اس طرح اسلام عدالتوں کے اس اختیار کو تحفظ دیتا ہے کہ اگر دنیاوی قانون ساز ادارہ یا انتظامیہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے متعلق کوئی ناروا زیادتی کرتے ہیں تو وہ کسی ایسی ہیئت

---

[7] آرٹیکل 203ھ (4تا9)

[8] آرٹیکل 203دد

کی جانب سے کالعدم قرار دیئے جائیں جو قانون سازی اور انتظامیہ کی بالادستی سے آزاد ہو۔ یہ اختیار قرآن کریم کی حسب ذیل آیت سے اخذ ہوتا ہے ۔

﴿یا ایھاالذین آمنو اطیعوا اللہ واطیعو ا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئی فردّوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر، ذالک خیر واحسن تاویلا﴾[9]

"اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیرو، اگر تم واقعی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی ایک صحیح طریق کار ہے، اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے "۔

اس آیت کے تحت اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول اور ان لوگوں کی اطاعت کریں جو صاحب اختیار ہیں۔ ﴿اولوالامر﴾ اور کسی اختلاف کی صورت میں معاملہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب لوٹادیں، رجوع کی صورت میں آیت میں اولی الامر کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، جسکی وجہ یہ ہے کہ چونکہ نزاع اور اختلاف یا تو اولوالامر ہی سے یا انہیں جیسے دیگر افراد سے ہو گا۔ اس لئے اختلافی معاملے کو اولی الامر کی طرف لے جانا موزوں نہیں ہے بلکہ کسی ایسے دوسرے ادارے کی جانب رجوع کرنا مناسب ہو گا جو اس معاملے میں قرآن وسنت کے مطابق فیصلے دے سکے۔ قرآن کریم کی یہ آیت عدالتی نظر ثانی کے اختیار کا سرچشمہ ہے۔ اور اس سے ریاست کے اعضائے سہ گانہ یعنی مقننہ، منتظمہ، اور عدلیہ کی تکون میں عدلیہ کے خود مختار ہونے کا تصور ابھرتا ہے ۔

جس مقصد کے تحت قوانین کی عدالتی نظر ثانی کے اختیارات ہائی کورٹوں کے شریعت بنچوں کو اور بعد میں اس عدالت کو دیئے گئے دستوری تاریخ میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے۔ مسلم دور حکمرانی میں اسلامی فقہ ہی ملکی قانون تھا۔ اس لیے وہاں عدالتوں کو ایسے اختیار دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اسلامی قانون ایسے عظیم فقہاء نے مرتب کیا ہے جو بہت گہرا علم شریعت رکھتے تھے۔ اور انہوں نے یہ کام حکومت کے اثر سے آزاد رہ کر کیا ہے۔ انہوں نے تحقیق و جستجو سے مسائل کے حل بعینہ شریعت کے مطابق تلاش کیا یا بالفاظ دیگر ایسے اجتہادات کیئے جو قرآن وسنت سے متصادم نہیں تھے۔ اسی لئے ان کے وضع کردہ قوانین حکمرانوں اور رعایا کے لیے یکساں طور پر قابل قبول قرار پائے، اور حکمرانوں کی مداخلت کے بغیر عدالتوں کی طرف سے نافذ ہوتے رہے، اسی لئے وہاں عدالتوں کو مزید عدالتی نظر ثانی کے اختیارات دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب صورت حال مختلف ہے۔ دور جدید میں قوانین ممبران پارلیمنٹ کی اکثریتی رائے کے ذریعے پاس ہوتے ہیں، جو بالعموم حکومت کی خواہشات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے وفاقی شرعی عدالت کو جو اختیارات حاصل ہے اسکی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی ۔

اس بات کا ایک اور اہم پہلو بھی ہے، وہ یہ کہ عدالت کے اس اختیارات کی اہمیت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے۔ اور دنیا کے وہ تحریری دساتیر جن میں قوانین کی عدالتی نظر ثانی کی ایک محدود مقصد کے لیے گنجائش موجود ہے۔ ان میں بھی یہ دائرہ اختیار اس وقت تک روبعمل نہیں آسکتا، جب تک کسی دوسرے کی جانب سے دعوی دائر نہ کیا جائے، اس لحاظ سے قوانین کی عدالتی نظر ثانی میں خود سماعت کا اختیار قوانین کی عدالتی نظر ثانی کی تاریخ میں بے مثال ہے ۔

---

[9] سورہ النساء:59

حرف و سخن HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

عدالت کا طریقہ کار اور لائحہ عمل:

فوجداری اپیل کی سماعت یا نظر ثانی کے اختیار میں اس عدالت کا طریقہ کار وہی ہے جو عدالت عالیہ اور عدالت عظمی کا ہے مقدمات ایک جج صاحب پر مشتمل عدالت یا دو یا زیادہ جج صاحبان پر مشتمل بنچ کے زیر سماعت آنے کے قواعد بھی موجود ہیں۔[10] عدالت عظمی کی طرح اس عدالت میں ریکارڈ پیپر بکس کی صورت میں تیار کیا جاتا ہے۔ جن کی نقول سماعت سے پہلے ہی فریقین کے وکلاء کو مہیا کر دی جاتی ہیں۔ اس عدالت کا طریقہ کار ہائی کورٹ سے قدرے مختلف ہے کہ وہاں پیپر بکس صرف خاص نوعیت کے مقدمات کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔ جبکہ وفاقی شرعی عدالت میں ہر مقدمے کیلئے پیپر بک تیار کی جاتی ہے ۔

حدود کی سزاؤں کی سختی کے پیش نظر حدود کے قوانین میں شہادت کا عالی معیار رکھا گیا ہے۔ عدالت کے قواعد میں اس امر کی بھی گنجائش موجود ہے کہ جن مقدمات میں اپیل جیل سے دائر کی گئی ہو اور اپیل کنندہ وکیل کی فیس دینے کی حیثیت نہ رکھتا ہو تو عدالت خود اس کو وکیل فراہم کر کے دیتی ہے، خواہ اس کی سزا کتنی ہی کم کیوں نہ ہو۔[11] اس معاملہ میں پاکستان ترقی یافتہ ممالک پر بھی سبقت لے گیا ہے، کیونکہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی مستحق ملزم کو بلا معاوضہ قانونی امداد اس مقصد کے لئے قائم شدہ انجمنوں کی جانب سے فراہم کی جاتی ہے، اور حکومت شاذونادر ہی اس طرح کی امداد فراہم کرتی ہے۔ اس لحاظ سے اس معاملہ میں عدالت کا یہ اقدام بے مثال ہے۔

عدالت کا اپنے اختیار خود سماعت کے استعمال میں لائحہ عمل یہ ہے کہ عدالت علماء، ماہرین قانون، دانشوروں اور معاشرے کے دیگر افراد پر اعتماد کرتی ہے اور ان سے مشورہ لیتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ زیر سماعت آنے والے قوانین کو اخبارات میں مشتہر کیا جاتا ہے اور ملک کے تمام شہریوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ عدالت کو آگاہ کریں کہ قانون مذکور کس حد تک قرآن اور سنت سے متصادم ہیں۔ عدالت کے اس اعلان میں ان قوانین کی سماعت کے تاریخ مقرر کی جاتی ہے تاکہ جو حضرات اپنی معروضات اور آراء عدالت کے روبرو پیش کرنا چاہئیں، انہیں اس کا موقعہ فراہم ہو سکے ۔

عدالت کے طریقہ کار کی ایک اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ درخواست یا اپیلوں کے داخل کرنے پر کوئی کورٹ فیس نہیں لی جاتی[12]، بالعموم دیگر عدالتوں میں مدعی اور مدعی علیہ کی غیر حاضری انہیں عدالت میں قانونی چارہ جوئی سے محروم کر دیتی ہے۔ لیکن اس عدالت نے اس طریقہ کار کی قطعا ہمت افزائی نہیں کی ہے۔[13] بلکہ یہاں اگر فریقین یا ان کے وکیل اگر موجود نہ ہوں تب بھی تمام فوجداری اپیلوں کے فیصلے ان کے استحقاق کی بناء پر ہوتے ہیں۔ الا یہ کہ کسی مستحق اپیل کنندہ ہونے کی صورت میں عدالت نے خود وکیل فراہم کرنا ہو تو ایسی صورت میں عدالت اپنے اس مقرر کردہ وکیل کی حاضری ضروری قرار دیتی ہے۔ اور اس کی غیر موجودگی میں اپیل کے نمٹانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

جہاں تک شریعت درخواستوں کا تعلق ہے۔ شریعت درخواست جب ایک مرتبہ قواعد وضوابط کے مطابق داخل کر دی جاتی ہے، تو اسے فریقین کی غیر حاضری کی بناء پر خارج نہیں کیا جاتا، بلکہ عدالت اس کے استحقاق کی بناء پر اس کا فیصلہ سناتی ہے اور اس سلسلے میں ماہرین مشیران فقہ، اور وکیلوں کی قانونی امداد پر ہونے والے جملہ مصارف عدالت خود برداشت کرتی ہے، یہ بھی عام عدالتی طریق کار کے ضوابط میں

[10] Federal Shariat Court (Procedure) Rules 1981 Section 4

[11] Federal Shariat Court (Procedure) Rules 1981 Section 23

[12] دستور پاکستان آرٹیکل 203ھاء(8)

[13] Federal Shariat Court (Procedure) Rules 1981 Section 15

ایک عظیم ارتقاء ہے۔ جو خود ترقی یافتہ ممالک کی بہ نسبت بھی وقیع ہے۔ شریعت درخواستوں کی سماعت کا اختیار اگرچہ عدالت کے کم از کم تین ججوں پر مشتمل بنچ کو حاصل ہے مگر بالعموم ان درخواستوں کو تمام موجود ججوں اور علماء ججوں پر مشتمل عدالت کے سامنے رکھا جاتا ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ فیصلوں میں زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے بلکہ ان معاملات میں فیصلے کے لئے ضروری اور متعلقہ تحقیقی کام بھی انجام دیدیا جائے۔

وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ عدالت عالیہ اور اس کے ماتحت عدالتوں کیلئے واجب التعمیل ہے۔ اسطرح اگر وفاقی شرعی عدالت کے کسی فیصلے کے خلاف اپیل دائر نہیں ہوئی ہو یا اپیل دائر ہوئی ہو اور شریعت اپیلٹ بنچ نے شریعت کورٹ کے فیصلے کو بر قرار رکھا ہو تو شریعت کورٹ کا یہ فیصلہ سپریم کورٹ پر بھی قابل پابندی ہے۔[14]

مشیران فقہ:

دستور کے آرٹیکل 203(ای)(4) کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے معاونت کیلئے قرآن اور سنت کے ماہر کسی شخص کو بطور مشیر فقہ کی تقرری عدالت کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ اس طرح اس آرٹیکل کے ذیلی آرٹیکل (6) میں کہا گیا ہے کہ مشیر فقہ کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ کسی درخواست کے متعلق قرآن اور سنت کے تعبیر و تشریح کے ساتھ اسلامی احکام کی روشنی میں احکام کی تخریج کرے اور تحریری طور پر بحث عدالت کو پیش کرے اس طرح عدالت ذیلی آرٹیکل نمبر 7 کے تحت ملک سے باہر کسی بھی ماہر عالم کو بلا سکتی ہے۔

عدالت نے مذکورہ آرٹیکل کی روشنی میں مشیران فقہ کی ایک فہرست تیار کر رکھی ہے جو مختلف مکتبہ فکر علماء پر مشتمل ہوتا ہے۔

شعبہ تحقیق

عدالت میں مستقل بنیادوں پر باقاعدہ ایک ریسرچ سیل موجود ہے۔ شعبہ تحقیق کا سربراہ سنیئر ریسرچ ایڈوائزر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک ریسیرچ ایڈوائزر اور ایک سینئر ریسرچ / ٹرانسلیشن آفیسر عدالت کے معاونت کرتے ہیں۔ مذکورہ افسران قرآن اور سنت کے ماہر اور فقہ اسلامی پر دسترس رکھتے ہیں شعبہ تحقیق قرآن و سنت کی روشنی میں فقہائے اسلام کے فقہی تشریحات اور مختلف مسائل سے متعلق مستنبط احکام شریعت کو تحقیقی شکل میں عدالت کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اس طرح عدالت عوام الناس اور مشیران فقہ کی فہرست سے باہر کے علماء کو بھی بذریعہ اخبارات و جرائد دعوت دیتی ہے کہ مطعون قوانین کے بارے میں اپنی رائے دیں۔

عدالت نے اس سلسلے میں 1981ء کو قواعد (Procedure Rules) وضع کی ہے۔ جن کے اہم نکات درجہ ذیل ہے۔

پروسیجر رولز کی قاعدہ نمبر 4 کے تحت:

1۔ ماتحت عدالت کی کسی ایسے فیصلے کے خلاف اپیل جس میں حد یا موت کی سزا دی گئی ہو فل بنچ جو کم از کم تین ججوں پر مشتمل ہو اور ان میں ایک عالم جج ہو سماعت کرے گی۔

2۔ دس سال سے زیادہ سزا یا بریت کے خلاف اپیل کی سماعت کم از کم دو ججوں پر مشتمل ڈویژن بنچ کرے گی۔

3۔ اس کے علاوہ باقی امور سے متعلق کسی درخواست کی سماعت سنگل بنچ کر سکے گی۔

---

[14] ظہیر الدین وغیرہ بنام سرکار، ایس سی ایم آر 1993ء ص 1718

وفاقی شرعی عدالت میں جب بھی کوئی درخواست اپیل یا ریفرنس دائر کیا جاتا ہے تو مذکورہ رولز کے قاعدہ نمبر 4 کے ذیلی قواعد کے مطابق سب سے پہلے چیف جسٹس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ چیف جسٹس صاحب رولز کے مطابق اسے متعلقہ بنچ کے سامنے رکھنے کا حکم صادر کرتا ہے اگر کسی معاملہ میں جج کی آراء پر بنچ تقسیم ہو جاتی ہے تو چیف جسٹس اپنے صوابدید سے کسی دوسرے جج کو اس بنچ کا ممبر مقرر کرتا ہے۔ اور اگر کسی بنچ کی رائے میں کسی معاملہ کے بارے میں بڑے بنچ کو تشکیل دینے کیلئے کہا جائے تو مذکورہ بنچ اپنے فیصلے میں بڑے بنچ کے تشکیل کے وجوہات بیان کر کے چیف جسٹس کو ارسال کرتا ہے۔

درخواست دائر کرنے کے مشمولات:

اگر کوئی مسلمان شہری کسی قانون کو قرآن و سنت سے متصادم ہونے کے بنیاد پر چیلنج کرتا ہے تو وفاقی شرعی عدالت کے رولز کے قاعدہ نمبر 7 کے مطابق درخواست گزار پر لازم ہے کہ وہ اپنے درخواست میں مذکورہ قانون کے ان دفعات یا شقوں کی نشاندہی کرے جو اس کے نظر میں قرآن اور سنت سے متصادم ہو اور اپنے دعوے کے اثبات کیلئے دلیل کے طور پر قرآن کریم کے آیات اور سنت نبوی ﷺ سے متعلقہ احادیث مع حوالہ بیان کرے۔ اس طرح جن کتابوں سے وہ حوالے دینا چاہتا ہے ان کی فہرست اور متعلقہ صفحات کے نمبر لکھنا بھی ضروری ہے درخواست گزار یہ سرٹیفیکیٹ بھی دیگا کہ اس نے اس قسم کا کوئی اور درخواست وفاقی شرعی عدالت یا ہائی کورٹ کے شریعت بنچ میں دائر نہیں کی ہے۔

درخواست پر ضابطہ کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد نمبر لگ جاتی ہے اور منظوری کی صورت میں ابتدائی سماعت شروع ہو جاتی ہے۔ اگر عدالت کی رائے میں درخواست پر علماء اور ماہرین قانون یا گواہوں کی گواہی لینا ضروری ہو تو عدالت ان کو اپنی معاونت کیلئے نوٹس جاری کرتی ہے۔ اس طرح اگر ملک سے باہر یا اندرون ملک علماء کرام جو عدالت میں بذات خود پیش ہونے سے قاصر ہو، تحریری رائے بھی لے سکتی ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کا فقہی منہج:

دستور پاکستان کے مطابق وفاقی شرعی عدالت صرف اس بات کی پابند ہے کہ کسی قانون یا اپیل کا قرآن اور سنت کی روشنی میں جائزہ لیں۔ اپیلوں اور شریعت درخواستوں کے دوران عدالت نے مسلمہ فقہاء کی آراء کی روشنی میں قرآن اور سنت کی تعبیر کی ہے۔ مشیران فقہ کی فہرست میں ہر مکتبہ فکر کے علماء شامل کیا گیا ہے اور ان کو اپنی معاونت کیلئے بلایا جاتا رہا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کسی خاص مسلک کا پابند نہیں ہے۔ لیکن اپنے فیصلوں میں عدالت نے ہر مسلک کی رائے اور دلیل کو اہمیت دی ہے۔ اصول الفقہ سے بھی کافی استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔ دستور پاکستان میں اس بات کی اقرار کی گئی ہے کہ قانون کیلئے بنیادی ذرائع قرآن اور سنت ہے۔ عدالت نے اپنے متعدد فیصلوں میں قرار دیا ہے کہ اگر کسی مسئلہ کے بارے میں قرآن کریم کا حکم موجود ہو اور اپنے معنی میں بالکل واضح اور صریح ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اس کو قانونی شکل دی جائے گی۔ اور قرآن و سنت سے متصادم قانون کو منسوخ قرار دیا جائے گا۔

وفاقی شرعی عدالت نے قصاص و دیت کے فیصلے میں جائزہ قوانین اور استنباط احکام کے لیے قواعد وضع کرتے ہوئے اپنے فیصلے کے پیراگراف نمبر 13،12 میں وضاحت کی ہے کہ دستور پاکستان کے تحت عطا کردہ اختیار میں عدالت کا دائرہ کار قرآن اور سنت سے متصادم قوانین کا جائزہ لینا ہے۔ مذکورہ آرٹیکل میں اس بات کی صراحت نہیں کی گئی ہے کہ عدالت کسی خاص مکتبہ فکر، مذہب یا مسلک کا پابند ہو گا۔ لیکن مختلف مکتبہ فکر کے فقہاء کی آراء کی قدر و قیمت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بلاشک ان کی تحقیقات بہت سارے مقدمات میں معاون ثابت ہوئے ہیں۔ اس لیے قرآن اور سنت کی تعبیر و تشریح کرتے وقت ان سے پوری طرح استفادہ کیا جائے گا۔ لیکن عدالت کسی خاص فقہی مسلک کی اندھی تقلید

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

نہیں کرے گی۔ اگر دستور پاکستان کا ارادہ کسی خاص فقہی مسلک کو اختیار کرنا تھا۔تو پھر ملکی قوانین کی جگہ فتاوی عالمگیری نافذ کر دیتے۔ لیکن مقصد یہ نہیں ہے۔ بلکہ دستور کا تقاضا یہ ہے کہ موجود نظام کی اصلاح کی جائے اور اس میں قرآن اور سنت سے متصادم قوانین منسوخ کی جا کر ان کی جگہ قرآن اور سنت کے احکام کے مطابق قوانین وضع کی جائے ۔ مذکورہ فیصلے کے پیراف نمبر 17 میں درجہ ذیل اصول وضوابط قرار پائے ہیں :

1۔ زیر تنازعہ مسئلہ سے متعلق سب سے پہلے قرآن کریم کے متعلقہ آیت یا آیات پیش نظر رکھا جائے گا ۔
2۔ اس کے ساتھ ساتھ مناسب حدیث کو بھی پیش نظر رکھی جائے گی ۔
3۔ قرآن کریم کی آیت کی تعبیر و تشریح رسول پاک ﷺ کے احادیث مبارکہ کی روشنی میں کی جائیگی ۔
4۔ عصری تقاضوں کے روشنی میں تمام فقہاء کرام کی آراء اور ان کے دلائل کا جائزہ لیکر قرآن اور سنت کے معانی کا تعین کیا جائے گا۔
5۔ قرآن اور سنت کے عام اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن اور سنت سے ہم آہنگ کوئی رائے قائم کی جائی گی ۔

قرآن کریم کے ماخذ قانون ہونے کے بارے میں کہیں بھی کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا گیا ہے البتہ بعض مواقع پر عدالت کے سامنے یہ سوال ضرور اٹھایا گیا ہے کہ کیا حدیث / سنت سے قرآن کریم کے کسی حکم کا تخصیص ہو سکتا ہے۔ عدالت نے رجم کے فیصلے کے خلاف نظر ثانی کے وقت سنت کی آئینی حیثیت، ماخذ قانون ہونے اور قرآن کریم کی تخصیص کے سوال پر تفصیلی بحث کی ہے۔ عدالت نے حدیث کے بارے میں محدثین کے تقسیم صحت اور روایت اور درایت کے اصول وضوابط پر تفصیل بحث کے بعد قرار دیا ہے ۔ کہ حدیث متواتر اور حدیث مشہور سے قرآن کریم کے عام حکم کی تخصیص تمام فقہاء امت کے نزدیک جائز ہے اور خبر واحد کے ذریعے تخصیص کو بھی اکثر فقہاء جائز کہتے ہیں صرف احناف کے نزدیک وہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر ایک مرتبہ کسی عام حکم کی تخصیص کی گئی ہو تو اس مخصوص منہ البعض حکم کی مزید تخصیص بذریعہ خبر واحد بھی جائز ہے۔[15]

واقعہ یہ ہے کہ "سنت" کو اسلامی قوانین کا مستقل ماخذ تسلیم کرنے کے بعد منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اس کے ذریعے قرآن کریم کے کسی عام حکم کو مخصوص کیا جا سکتا ہے اور اس کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ۔

عدالت نے اپنے فیصلوں میں اکثر وبیشتر احادیث کی جرح وتعدیل بھی کی ہے اگر کہیں تعارض نظر آیا ہے تو توافق کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ مذکورہ فیصلہ رجم کی پیراگراف نمبر 10، 11 میں رجم کے بارے میں احادیث کی جرح وتعدیل کی گئی ہے۔ لیکن کبھی کبھار جرح وتعدیل نہیں کیا گیا ہے زیادہ تر کوشش یہ کی گئی ہے کہ احادیث مبارکہ کے حوالے احادیث کی کتب سے دیا جائے لیکن کبھی کبھار ثانوی مصادر پر بھی اکتفاء کیا گیا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ صرف حدیث نقل کی گئی ہے اس کا حوالے نہیں دیا گیا مثلاً شریعت درخواست نمبر 63 / آئی آف 1990 میں پنشن کے بارے میں فیصلہ دیتے وقت حدیث، الناس سواسیۃ کاسنان المشط کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے ۔

عدالت نے صحابہ کرام کے فیصلوں اور ان کے اجتہادات سے بھی بہت استفادہ کی ہے اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کرام کا کوئی متفقہ فیصلہ یا کسی صحابی کا کوئی اثر پیش کیا گیا ہے عدالت نے اس اثر کو بھی دلیل کے طور پر قبول کیا ہے۔ اور اس کے مطابق فیصلہ صادر کیا ہے۔ وفاقی شرعی

[15] Federation of Pakistan Vs Hazoor Bukhash and 2others, PLD,1983,FSC 255

عدالت کے نزدیک قرآن اور سنت کے بعد اگر صحابہ کرام یا فقہائے امت کی کسی مسئلہ پر اجماع ثابت ہو تو اس سے انحراف کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔عدالت اپنے متعدد فیصلوں میں قوانین کا جائزہ لیتے وقت استنباط احکام کیلئے ماخذ کی ترتیب درجہ ذیل رکھی ہے۔

1۔ قرآن

سنت

اجماع

فقہی آراء

عرف وعادت

مصلحۃ مرسلہ واستحسان

سد الذریعہ

فقہائے کرام کے اختلاف کے صورت میں عدالت نے اپنے آپ کو کسی خاص مذہب کا پابند نہیں بنایا۔ ہر مکتب فکر اور ہر فقہی مسلک سے استفادہ کیا گیا ہے۔ البتہ بہت سارے فیصلوں میں عدالت کی رجحان حنفی رائے کیطرف رہا ہے۔ قوانین کا جائزہ لیتے وقت اگر کسی قانون کو کسی غلط اجتہاد کے بنیاد پر وضع کیا گیا ہے اور بظاہر اس کے بارے دور دور کا قیاس بھی کیا گیا ہو لیکن وہ نص صریح سے متصادم ہو تو عدالت نے واضح طور پر اس کو رد کرتے ہووے قرار دیا ہے کہ نص کے مقابلے میں اجتہاد نہیں ہو سکتا۔[16]

اگر کسی قانون کے موافق شریعت یا مخالف اسلام ہونے کے بارے میں کسی قسم کا کوئی نص موجود نہ ہو اور شریعت کے روح کے مطابق ہو تو عدالت نے اباحۃ اصلیہ کے بنیاد پر اولوالامر کے بنائے ہوئے قانون کو صحیح قرار دیا ہے۔عدالت نے عائلی قوانین پر فیصلہ دیتے وقت نکاح کے رجسٹریشن اور اس طرح Pakistan Arms Qrdinance of 1965 اور Arms Rules 1924 کے تحت اسلحہ رکھنے والے پر لازم ہے کہ اپنی اسلحہ کی رجسٹریشن کرے کو شریعت کے مقاصد کے مطابق پایا اور رجسٹریشن کو بحال رکھا بلکہ مستحسن قرار دیا۔اس طرح عدالت نے اپنے فیصلے میں مذکور فقہی قاعدہ ان التصرف "علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ" اور اصول "سد الذرائع" کی اہمیت بھی واضح کردی۔[17]

عدالت کے چند اہم فیصلے درج ذیل ہیں

قصاص ودیت سے متعلق وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ

ان شریعت درخواستوں میں درجہ ذیل امور کو خلاف اسلام ہونے کے بنیاد پر چیلنج کیا گیا تھا ۔

1۔ اگر مقتول کے ورثاء قاتل کو معاف کردے تو عمر قید اور جرمانے کی سزا کو دیت سے تبدیل کیا جائے ۔

2۔ قتل میں صرف مباشر سے قصاص لیا جائے۔ مدد کرنے والے (مسبب) سے قصاص نہ لیا جائے ۔

3۔ اگر بہت سارے آدمیوں نے کسی ایک آدمی کو قتل کیا ہو تو سب سے قصاص لینا قانوناً صحیح نہیں ہے ۔

4۔ جرم قتل کو قابل مصالحت قرار دیا جائے ۔

---

[16] Allah Rakha and other Vs Federation of Pakistan and others, PLD 2000,FSC 1 page 50 .

[17]PLD,2004, FSC, 1, Abdul Majid Vs Govt. of Pakistan

5۔ شریک جرم گواہ کے گواہی کے بنیاد پر صادر فیصلہ کو خلاف اسلام قرار دیا جائے اور اس گواہ کو معاف کرنا اسلامی احکام کے منافی قرار دیا جائے ۔

وفاقی شرعی عدالت نے مذکورہ درخواست کی سماعت کر کے علمائے کرام کی آراء سنی عدالت نے فیصلے کے پیراگراف نمبر 14، 15 اور 16 میں زیر سماعت درخواستوں / اپیلوں کو نمٹانے کیلئے طریقہ کار وضع کیا اور آخر میں یہ فیصلہ صادر کیا ۔

1۔ قید اور جرمانہ کی سزا اسلام کے خلاف نہیں۔ ضروری ہے کہ مقدمہ قتل میں حدود آرڈیننس کے معیار کے مطابق گواہ پیش ہو اگر اس معیار کے گواہ پیش نہ ہو سکے تو شریعت اسلامی کے مطابق تعزیر دی جاسکتی ہے ۔

2۔ اگر ایک شخص کو کئی اشخاص نے قتل کیا ہو تو سب کو قتل کیا جائے گا ۔

3۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر اکراہ کر کے اس سے جرم کروادے تو اس بات پر اتفاق ہے کہ مکرہ کو سزا ملے گی۔ اصل قاتل کے متعلق صرف حنفی رائے ہے کہ مکرہ سے قصاص نہیں کیا جائے گا ۔

4۔ نفاذ سزا کے وقت فاتر العقل یا اپنے بیٹے کو قتل کرنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا ۔

5۔ قتل عمد کی صورت میں مقتول کے ورثاء کو اختیار حاصل ہے کہ وہ قاتل کو پوری طرح معاف کرے دے ۔

6۔ قانون شہادت عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے ۔

اس سلسلے میں حکومت کو مناسب اقدامات اٹھانے کیلئے ہدایات جاری کی گئی۔[18]

جرائم حدود میں نصاب شہادت اور عورتوں کی گواہی کی حیثیت:

متعدد درخواست گزاروں نے حدود آرڈیننسوں کے مختلف دفعات کو قرآن وسنت کے منافی قرار دینے کے لیے استدعا کی ہے۔ ان دفعات میں ایسے جرائم جن کی سزا کے طور پر حد لاگو ہوتی ہے، عورتوں کو گواہی دینے سے خارج کیا گیا ہے۔ ان شریعت درخواستوں کے ذریعے مجموعی طور پر جو امور چیلنج کئے گئے ہیں ان کے مناسبت سے حسب ذیل تنقیحات عدالت کے سامنے آئی:

1- حدود سزاؤں کے نفاذ کے لیے عورتوں کی شہادت کا مقام

2- زنا بالجبر کی حیثیت

3- جرم زنا کے لیے تعزیری سزا کا جواز

اس مسئلے پر عدالت نے پبلک نوٹس دیئے۔ ہر مکتب فکر کے ممتاز علماء کرام کو بھی مدعو کیا گیا اور ان کے خیالات سے پورا استفادہ کیا گیا۔ ان حضرات میں سے اکثر نے حدود و قصاص میں خواتین کی شہادت کے بالکل ناقابل قبول ہونے پر اصرار کیا، اور عقلی اور نقلی دلائل دیئے۔ بعض حضرات نے صرف ضرورت کے وقت ان سے شہادت لینے کی تائید کی، جبکہ کچھ حضرات نے ہر قسم کے معاملات اور قضایا بشمولیت قصاص و دیت میں ان کی گواہی کو مردوں کی گواہی کے ہم پلہ قرار دیا اور اس بارے میں کسی بھی تفریق کو اسلام کے خلاف قرار دیا۔

اس فیصلے میں عدالت نے حدیث لا تجوز شہادۃ النساء فی الحدود والقصاص پر بحث کے بعد متفقہ طور پر قرار دیا کہ اگر کوئی مستند حدیث پیش کی جاتی تو وہ حرف آخر اور قول فیصل بن جاتی اور عدالت کیلئے مزید بحث کی گنجائش باقی نہ رہتی۔۔۔ لیکن تلاش بسیار کے باوجود عدالت کے سامنے

[18] PLD 1980,FSC 360

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ایسی مرفوع روایت پیش نہیں کی جا سکی جس میں خواتین کو ان امور میں شہادت دینے سے منع فرمایا گیا ہو۔ جہاں تک مذکورہ بالا روایت کا تعلق ہے یہ صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال ہیں۔ جنہیں مختلف مواقع پر Quote کیا گیا ہے۔ ان میں قصاص اور حدود کے علاوہ بعض روایات کے مطابق چند دوسرے امور میں بھی خواتین کی شہادت کو "لا تجوز" کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔

عدالت صحابہ کرامؓ کے آراء اور آثار کو بھی عقیدت اور قدر ہی کی نگاہ سے قبول کرتے ہیں، تاہم یہ روایات بہت مجمل ہیں، اور یوں لگتا ہے کہ ان کے اقوال کا مفہوم اخذ کرنے میں لوگوں نے زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیا ہے۔

اس طرح مذکورہ فیصلے میں زنا بالجبر کو حرابہ قرار دینے کے ضمن میں عدالت نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ زنا بالجبر کے واقعات حقیقتاً اللہ و رسول اللہ ﷺ کے خلاف اعلان جنگ اور محاربہ کے ہم معنی ہیں۔ اور ان کے ساتھ اسی صورت میں نمٹنا ہے۔ کسی کے مال پر ڈاکہ ڈالنا، اگر اس محاربہ کی تعریف میں شامل ہے تو کسی کی عزت لوٹ لینا اس میں کیوں شامل نہیں ہو سکتا؟۔ آخر ایک انسان کے پاس عزت وعفت سے بڑا سرمایہ اور یوں کسی کی عصمت دری کرنے سے زیادہ فساد اور کیا ہو سکتا ہے؟۔ تاہم اس احتیاط کی ضرورت بہر حال رہے گی کہ عدل اور انصاف کے سب تقاضے بھی پورے ہوں، اور اسلامی احکامات کے مقتضیات بھی، جرم کے یقینی ثبوت کے لیے بھی، اور اس کی مناسب سزا کے لئے بھی۔

فیصلہ میں عدالت نے حد قذف سے بچنے کیلئے چند اصول وضع کئے اور قرار دیا کہ جہاں تک حد قذف سے بچنے کا تعلق ہے اس کے لئے وقوعہ کے جو چار عینی گواہ درکار ہیں، وہ مجبوری اور مخصوص حالات کے مطابق مردوں اور عورتوں میں سے کوئی بھی ہو سکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ بعض امور و معاملات اختیاری ہوتے ہیں اور ان کے لیے گواہوں کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بعض واقعات حادثوں کی طرح پیش آتے ہیں، اور انکے لیے پہلے سے گواہوں کی موجودگی یقینی نہیں ہو سکتی، اس لئے ایسے حوادث کے موقع پر جو بھی چار گواہ میسر ہوں انکی چشم دید گواہی الزام کی حد تک وقوعہ کی ایسی تصدیق کر سکتی ہے جو نفس فعل کے امر واقعہ کو محض الزام تراشی کی حد سے نکال لیتا ہے۔ اور یہ بات ایک طرح الزام لگانے والے سے حد قذف رد کرنے کے لئے کافی ہے۔

عدالت نے کافی غور و خوض کے بعد حسب ذیل ترمیمات کا حکم صادر کیا:

1- صرف زنا کے لیے "چار بالغ مسلمان مرد" کا نصاب بر قرار رکھتے ہوئے زنا بالجبر کی سزائے حد کے لیے دفعہ نمبر 8، میں الگ حصہ بڑھا کر انصاب شہادت "دو بالغ مسلمان مرد" رکھا جائے۔ جو دفعہ نمبر 8(ب) میں مذکور صفات کے حامل ہوں۔

2- دفعہ۔9(4) کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا جائے، "for any offence i.e lewdnees etc. other than Zina"

3- مقدمہ زنا میں چار سے کم گواہ لانے یارہ جانے کی صورت میں چونکہ مستغیث اور جھوٹے گواہوں کو 80 کوڑوں کی سزا دی جائے گی اس لیے اس قسم کا ضابطہ (Provision) یا تو دفعہ 9(4) میں درج کیا جائے یا قذف۔ آرڈیننس میں جس کی دفعہ۔6(بی) میں قدرے ابہام موجود ہے۔ عدالت سمجھتی ہیں کہ (accused) کے لفظ سے پیدا ہونے والے ابہام کے تحت قذف کے مرتکبین کو مزید ثبوت کے بغیر مستوجب حد گردانے اور جھوٹے گواہوں کا سدباب کرنے کے لیے قذف آرڈیننس کی دفعہ۔6(ب) میں مذکورہ فقرے کی بجائے مندرجہ ذیل فقرہ مناسب رہے گا[19]۔

[19] 6. Proof of qazf liable to hadd shall be in one of the following forms namely:-

(a)--------------------

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

عدالت نے صدر مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان کو حکم جاری کیا کہ یکم فروری 1990ء تک مذکوہ دفعات میں مجوزہ ترمیمات کرنے کے لیے مناسب اقدام عمل میں لائیں۔ بصورت دیگر مذکورہ تاریخ کے بعد مذکورہ بالا دفعات کے غیر شرعی حصے قابل نفاذ نہ ہونگے۔ اور شرعی قوانین پر عمل ہو گا۔[20]

غیر منقولہ جائیداد کے مالک کے حقوق:

۔عدالت کے سامنے Contonment Rent Restrection Act. 1963 کے دفعات 17،8،7(2)اور Urban Rent Restriction Ordinance 1959 کے دفعات 4،13 کو خلاف اسلام ہونے کے بنیاد پر چیلنج کیا گیا۔

درخواستوں کی سماعت کے دوران عدالت نے شریعت درخواست نمبر 60/ آئی آف 1990ء وغیرہ پر اپنے ایک سابقہ فیصلے کا حوالہ دیا کہ عام حالات میں غیر منقولہ جائیداد کے مالک کے حقوق میں مداخلت خلاف اسلام ہے۔ موجودہ درخواست کے حوالے سے مختلف مکاتب فکر کے علماء کو مدعو کیا گیا اوران کے سامنے حسب ذیل دو سوال رکھے گئے ۔

1۔ کیا اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ایک شخص کی ملکیت میں اس انداز سے مداخلت کی جائے کہ وہ خود اپنی ملکیتی اراضی کو نہ اپنے استعمال میں یا قبضے میں لاسکے، نہ کرائے پر دے سکے، اور اسے اس اراضی کے استعمال سے محروم کرتے ہوئے کسی غیر کو مالک کی مرضی کے بغیر قبضہ دے دیا جائے؟

2۔ کیا معاہدہ کرنے والی دو پارٹیوں میں سے ایک پارٹی کو اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ معاہدہ توڑ دے، اور رینٹ کنٹرولر کو نیا معاہد کرانے کے لیے رسائی کرکے دوسرے فریق کو پہلے فریق کی خواہش کی تکمیل کے لیے مجبور کر دے؟

عدالت نے مشیران فقہ کو مذکورہ سوالنامے کے بارے میں شرعی رائے اور دلائل دینے کے لیے مدعو کیا۔ انہوں نے بھرپور انداز میں اپنی رائے کا اظہار کیا اور دلائل دے کر متفقہ موقف اختیار کیا کہ قرآن وسنت نت کے احکیام کے مطابق ملکیت کے معاملے میں زمین اور دوسری اشیاء کے درمیان کوئی فرق نہیں، اور جب یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ زمین شخصی ملکیت میں آسکتی ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہی ہے کہ کوئی دوسرا شخص، اگر اسے استعمال کرے تو وہ مالک کے ساتھ کسی معاہدے کے تحت ہی ہونا چاہئے چنانچہ مزارعت اور کرایہ دونوں وہ جائز معاہدات ہیں جن کے تحت کوئی شخص کسی دوسرے کی زمین جائز طور پر استعمال کر سکتا ہے۔ عدالت نے مذکورہ درخواستیں منظور کرتے ہوئے متعلقہ قوانین میں ترامیم کے احکامات صادر کیے۔[21]

سود سے متعلق وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ:

عدالت میں سودی قوانین کے خلاف اسلام ہونے کے بارے میں سو سے زیادہ درخواستیں موصول ہوئی ان درخواستوں میں سرفہرست ڈاکٹر محمود الرحمن فیصل کی درخواست ہے۔ عدالت نے ایک سوالنامہ تیار کرکے پاکستان اور پاکستان سے باہر اسلامی ممالک کے بڑے

(b) Qazf has been established as mentioned in -clauses(a),(b),(c)of the second exception to Section 3 and demaned for punishmenet has been duly made by the victim of Qazf.

[20] بیگم رشیدہ پٹیل ودیگران بنام فیڈریشن آف پاکستان، پی۔ ایل۔ ڈی 1989ء ایف ایس سی 95۔

[21] Ashfaq Ahmad Vs Govt. of Pakistan and another. Select Judgments of the Federal Shariat Court Pakistan 1992 p 112.

بڑے علماء محققین اور ماہرین کی خدمت میں ارسال کر کے ان سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے علمی اور ماہرانہ رائے سے عدالت کی معاونت کرے ۔

سوالنامہ درجہ ذیل ہے

سوال نمبر1۔ قرآن وسنت کے مطابق ربا کی کیا تعریف ہے ؟ کیا یہ دور جدید کے مالیاتی معاملات کے سود مفرد اور سود مرکب پر مشتمل ہے ؟

سوال نمبر2۔ غیر سودی بنک کے قیام کی صورت میں بینکوں کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کی عملی صورت کیا ہوگی۔

سوال نمبر3۔ (الف) کیا قومی ضروریات کی تکمیل کے لیے حکومت کی جانب سے جاری کردہ قرضوں پر سود ربا کے ضمن میں آتا ہے ؟

(ب) بینکوں کی جانب سے مختلف ضروریات کیلئے غیر سودی قرض فراہم کرنے کے بارے میں آپ کا کیا متبادل تجاویز ہے ؟

سوال نمبر4۔ کیا اسلامی احکام کی روشنی میں بینکوں کی فراہم کردہ سہولتوں یا خدمات کے عوض سود کی وصولی۔کے سلسلے میں نجی اور سرکاری بنکاری میں کوئی امتیاز کیا جاسکتا ہے ؟

سوال نمبر5۔(الف) کیا اسلامی تعلیمات کے مطابق سرمایہ کو پیداوار کا ذریعہ تصور کر کے اس کے استعمال پر کوئی معاوضہ لیا جاسکتا ہے ؟

(ب) کیا کرنسی کی قیمت میں کمی اس قرض پر اثرانداز ہوتی ہے جو اس کمی سے پہلے لیا گیا ہو۔

(ج) کیا افراط زر کی بناء پر سونے کی قیمت میں اضافے اور کرنسی کے حساب سے استعمال اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کا قرض پر لی ہوئی رقم پر اثر پڑتا ہے ؟

سوال نمبر6۔ سود پر مبنی بنک کاری کی سہولتوں سے استفادہ کئے بغیر موجودہ اقتصادی حالات میں وہ کونسی متبادل تجاویز ہو سکتی ہیں۔جن پر ملکی اور غیر ملکی تجارت کو کامیابی سے چلایا جاسکتا ہے ؟

سوال نمبر7۔ کیا اسلامی احکام کے مطابق دو مسلم ریاستوں یا ایک مسلم اور غیر مسلم ریاست کے مابین سود کی بنیاد پر کاروبار جائز یا ناجائز؟

سوال نمبر8۔ کیا بیمہ کاربار سود کے بغیر چلایا جانا ممکن ہے ؟

سوال نمبر9۔ پراونڈنٹ فنڈ اور سیونگ اکاؤنٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے کیا وہ ربا کی تعریف میں آتا ہے ؟

سوال نمبر10۔ کیا انعامی بانڈوں پر یا سیونگ اکاؤنٹ پر یا کسی اور سکیم پر دی جانے والی رقم ربا کی تعریف میں آتی ہے ؟

سوال نمبر11۔ کیا اسلامی قانون کے تحت تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا درست ہو گا،اس طرح کہ تجارتی۔قرضوں پر سود لیا جائے اور غیر تجارتی قرضے بلاسود ہوں ؟

سوال نمبر12۔ اگر سود کو قطعی طور پر ختم کر دیا جائے تو اسلامی معیشت میں لوگوں کو بچت پر ابھارنے اور سرمایہ کے استعمال میں کفایت شعاری کی ترغیب دینے کے لیے کون سے محرکات استعمال کئے جائیں گے ؟

عدالت نے ان جدید مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لینے اور ان قوانین میں موجودہ دفعات کا قرآن اور سنت سے متصادم ہونے یا نہ ہونے اور موجودہ بینکنگ نظام کے تحت منافع کی ادائیگی کا سود کے زمرے میں آنے یا نہ آنے کیلئے علمائے کرام اور اقتصادی ماہرین کو مدعو کیا گیا۔ عدالت نے علماء کی آراء اور دلائل سنے اور کافی غور وخوض کے بعد مذکورہ درخواستوں کو منظور کرتے ہوئے سودی نظام کو خلاف اسلام قرار دیا اور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

حکومت کو ہدایت کی کہ 30 جون 1992ء تک مذکورہ قوانین کے بارے میں عدالت کے فیصلے کو نافذ کیا جائے بصورت دیگر یکم جولائی 1992ء سے مذکورہ قوانین ناقابل عمل قرار پائینگے۔[22]

بد قسمتی سے اس فیصلے کے خلاف شریعت اپیلٹ بنچ میں اپیل دائر کی گئی۔ عدالت عظمی نے 2000ء میں سماعت مکمل کر کے آخر کار وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو بر قرار رکھا۔ عدالت نے حکم صادر کیا کہ حکومت فیصلہ کے تاریخ سے ایک مہینے کے اندر ماہرین کی ایک کمیشن قائم کرے جو موجودہ مالیاتی نظام کو شریعت کے مطابق لے آئیں اور جن قوانین کو خلاف اسلام قرار دیا گیا ہے۔ 30 جون 2001ء کے بعد قابل عمل نہیں ہونگے۔[23]

2001ء کو مذکورہ فیصلہ کے خلاف نظر ثانی کی درخواست دائر کی گئی عدالت عظمی نے مذکورہ مدت میں توسیع کرتے ہوئے فیصلہ کے نفاذ کو 30 جون 2002ء تک موخر کر دی ۔

یونائیٹڈ بنک نے دوبارہ نظر ثانی کی درخواست دائر کی تو عدالت عظمی نے نظر ثانی دوم میں شریعت اپیلٹ بنچ کے دونوں فیصلوں کو کالعدم قرار دیکر واپس وفاقی شرعی عدالت ارسال کی ہے جس کا از سر نو جائزہ لیا جارہا ہے۔[24]

موات اراضی اور مالک کے حقوق سے متعلق عدالت کا فیصلہ:

وفاقی شرعی عدالت نے موات کو بے مالک کے معنوں میں لیا۔ اور قرار دیا کہ چونکہ پٹہ پر ملی ہوئی اراضی کی اسلامی حکومت مالک ہے ۔ موات اراضی کی تعریف میں نہیں آتی اور اس کے آباد کرنے والے مالکان حقوق کے سزاوار نہیں ٹھہرتے۔[25]

وفاقی شرعی عدالت نے قرار دیا ہے کہ حکومت انتہائی ضرورت کی صورت میں مفاد عامہ کے خاطر کسی شخص کی مملوکہ جائیداد سرکاری ملکیت میں لے سکتی ہے۔ لیکن حکومت پر لازم ہے کہ وہ اس کی معاوضہ ادا کرے اور ضرورت پورا ہونے کے بعد اسے واپس کر دے۔[26]

کیا کوئی خاتون جج بن سکتی ہے:

ایک عرصہ سے ملت اسلامیہ میں یہ روایت عقیدے کے طور پر چلی آرہی ہے کہ عورت حکومت اور عدلیہ میں اہم ترین عہدوں پر فائز نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اسلام اس بات کو نگاہ تحسین سے نہیں دیکھتا۔ اور بعض دیگر وجوہات کی بناء پر بھی عورت اس منصب پر کام کرنے کی اہل ثابت نہیں ہوتی۔ وفاقی شرعی عدالت کے روبرو ایک مسئلہ پیش ہوا۔ جس میں یہ فیصلہ کرنا مقصود تھا کہ عورت کو ایک اسلامی ریاست میں جج یا قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ گو کہ عوامی سطح پر بعض لوگ عورت کی نااہلی کے حق میں بیانگ دہل اپنی آراء دے چکے تھے۔ اس کے باوجود وفاقی شرعی عدالت نے پوری چھان بین، متضاد آراء کے تقابلی جائزے اور تمام مکاتب فکر اور مذاہب کے اجتہادی ادب کا مطالعہ کرنے کے بعد

---

[22] Dr. Mahmoodur Rahman Vs. Secretary Law Govt. of Pakkistan. Select Judgments of the Federal ShariatCourt Pakistan 1992 p 153

[23] M. Aslam Khaki Vs Mohammad Hashim and others,PLD 2000,SC 225.

[24] United Bank LTD Vs M/S Farooq Brothers, PLD 2002,SC 801

[25] Bhai Khan and 4othes Vs Federal Govt. of Pakistan,PLD 1981,FSC 139.

[26] Hafiz Muhammad Ameen etc Vs. Islamic Republic of Pakistan PLD 1981. FSC

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

رائے قائم کی کہ عورت قاضیہ یا جج جیسے منصب جلیلہ پر فائز ہونے کا اسلامی حق رکھتی ہے۔ اور ایسا کرنا اسلامی تعلیمات اور اصولوں سے متصادم قرار نہیں دیا جا سکتا۔[27]

یتیم پوتے کی وراثت، نکاح رجسٹریشن، تعدد ازواج اور طلاق:

مختلف درخواست گزاروں نے مسلم عائلی قوانین آرڈیننس مجریہ 1961ء کے دفعات 6، 5، 4 اور 7 کو خلاف اسلام ہونے کے بنیاد پر عدالت میں چیلنج کر دی عدالت نے 5 جنوری 2000ء کو اپنا فیصلہ سنایا۔ عدالت نے ماہرین قانون اور مشیران فقہ کے آراء اور مذکورہ دفعات کے متوازی اسلامی ممالک کے قوانین کا بھی جائزہ لیا۔ عدالت نے دفعات نمبر 5، 4 اور 6 میں ترامیم تجویز کی۔ جبکہ دفعہ نمبر 7 کے خلاف اسلام حصوں کو حذف کرنے کا حکم صادر کیا۔

دفعہ نمبر 4 یتیم پوتے کے وراثت سے متعلق ہے، عدالت نے علمائے کرام اور ماہرین قانون اور اسلامی ممالک کے قوانین کا قرآن اور سنت کے روشنی میں جائزہ لیا۔ درخواست گزاروں نے سورہ نساء کی آیت میراث اور اصول الاقرب فالاقرب اور اجماع امت کو دلائل کے طور پر کیا تھا ۔

وفاقی حکومت کے نمائندوں کے موقف کے اہم نکات دو تھے ۔

1۔ لفظ ولد اور اس سے مشتق اولاد واضح طور پر بیٹوں اور پوتوں دونوں کو شامل ہے۔ جس طرح دادا، باپ کا قائمقام ہوتا ہے اس طرح پوتا بیٹے کے قائمقام ہوتا ہے اور

2۔ یہ کہ ایک عصر کی اجماع حالات کے مطابق دوسرے عصر کے مسلمان بدل سکتے ہیں۔ اس لیے دفعہ نمبر 4 قرآن و سنت سے متصادم نہیں ہے ۔

عدالت نے قرآن کریم اور سنت نبوی کی روشنی میں یتیم پوتے کے میراث سے محروم ہونے کے سوال کا پورے تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور اسلامی ممالک مثلاً مصر وغیرہ کے قوانین کا بھی مطالعہ کیا۔ اس طرح اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کو بھی سامنے رکھا گیا ہے ۔

عدالت نے وصیت واجبہ کے اصولوں کے مطابق قانون سازی کیلئے احکامات صادر کئے۔ کیونکہ عدالت کی نظر میں سورہ بقرہ کی آیت 180 میں اس بات کو لازمی قرار دیا گیا ہے کہ جب کسی کو موت قریب آ پہنچی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرے آیت کریم ایک الزامی حکم سے شروع ہوتا ہے۔ آیت کے اس الزامیت کو حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"ما حق امری مسلم له شئی یوصی فیه لیبیت لیلتین الاووصیته مکتوبه عنده "۔[28]

اگرچہ بعض مشیران فقہ کی نظر میں آیت میراث نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔ لیکن یہ مسلمہ قانون ہے کہ جہاں مختلف قسم کے قوانین میں توافق ممکن نہ ہو تو آخر میں آنے والے قانون کو ترجیح دی جائے گی۔ اس لئے والدین کے حق میں قانون کے موجود ہونے سے صرف اس حد تک پہلا قانون منسوخ قرار دیا جائے گا جبکہ یتیم پوتے کو آیت میراث میں داخل قرار نہیں دیے گئے ہیں جب کہ وہ اولاد کے بہت

---

[27] Ansasr Burney Vs Federation of Pakistan others, PLD 1983,FSC 73.

[28] ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری: الجامع الصحیح، کتاب الوصایا ۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

قریب ہوتے ہیں اسلئے وہ مقرر مقدار (1/3) تک وصیت کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس لئے عدالت نے رائے اختیار کی کہ یتیم پوتے دادا کے ترکہ میں 1/3 حصے میں وصیت کے حقدار ہیں اور یہی اس مسئلے کا بہترین حل ہے۔ اس لیے عدالت یہ کام مقننہ کے اوپر چھوڑ دیتی ہے کہ وہ اس نہج پر قانون سازی کرے کہ اگر دادا خود اپنے پوتوں /پوتیوں کے حق میں وصیت نہیں کرتا ہے یا کوئی حصہ نہیں دیتا اور وہ وفات پا جاتا ہے تو 1/3 کی حد تک وصیت سمجھا جائے گا بشر طیکہ یہ اس کے مورث (والد) اگر زندہ ہوتا تو یہ مقدار اس کے حصے سے متجاوز نہ ہوتا۔

دفعہ نمبر 5 نکاح کے رجسٹریشن سے متعلق ہے بعض مشیران فقہ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مذکورہ دفعہ کی پیروی نہ کرنا کسی شخص کے نکاح کی آزادی پر قیود لگانے کے مترادف ہے۔ عدالت اس نتیجے پر پہنچی کہ قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے۔ نہ کوئی حدیث موجود ہے جو کہ نکاح رجسٹریشن کو ناجائز قرار دیتا ہو۔ البتہ رجسٹریشن میں بہت سارے خوبیاں موجود ہیں مثلاً میاں بیوی، ان کے بچوں کا ریکارڈ جس سے ان کی نسب اور میراث میں ممد و معاون ہو۔ ریکارڈ کی موجودگی کی وجہ سے بہت سارے اختلافات اور ابہامات رفع ہو سکتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی عدالت نے متعدد مقدمات میں قرار دیا ہے کہ نکاح کی رجسٹریشن نہ کرنے سے نکاح فاسد یا باطل نہیں ہوتا۔ اس لیے عدالت نے مذکورہ دفعہ کو قرآن اور سنت سے متصادم قرار نہیں دیا۔

دفعہ نمبر 6 تعدد ازواج سے متعلق ہے۔ اس دفعہ میں تعدد ازواج کو حرام قرار نہیں دیا گیا ہے بلکہ دوسری شادی پر قیود عائد کی ہیں ان قیود کے ساتھ دوسری شادی کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ قیود شرعی مصالح سے متصادم نہیں ہے اس لیے عدالت کے ملاحظات کے ساتھ یہ دفعہ بھی خلاف اسلام نہیں ہے۔

دفعہ نمبر 7 کی ذیلی دفعات نمبر 3 اور 5 متنازعہ دفعات ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر میاں بیوی کے درمیان تعلقات استوار نہیں ہو سکتے تو ان کے ازدواجی زندگی کو ختم کرنے کیلئے قرآنی طریقہ طلاق ایک بہترین حل ہے۔ اگرچہ احادیث مبارکہ میں بلا ضرورت طلاق کو ابغض الحلال بھی کہا گیا ہے۔ لیکن سب سے اہم مسئلہ طلاق کے بعد عدت کا ہے ذیلی دفعہ نمبر 3 عدت کے شرعی لوازمات کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ عدت کس وقت سے شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے۔ یہ ایک مخصوص مدت ہے اس میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی، مثلاً

الف۔ صیغہ نکاح کے بعد اگر ازدواجی تعلقات قائم نہ ہوئے ہوں تو طلاق کے بعد کوئی عدت نہیں ہے۔[29]

ب۔ بیوی کی حمل کے صورت میں طلاق دینے کے بعد عدت وضع حمل سے مکمل ہوتا ہے۔[30]

لہذا ان میں سے ہر ایک صورت کیلئے نوے دن کی میعاد احکام اسلامی سے واضح طور پر متصادم ہے اور عورتوں کی نکاح ثانی کے حق کو متاثر کرتا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ عدت طلاق دینے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ نہ کہ ذیلی دفعہ نمبر 1 کے مطابق چیئر مین کو نوٹس دینے کے وقت سے۔ لہذا اگر شوہر بدنیتی سے چیئر مین کو نوٹس نہیں دیتا اور ایک طویل مدت گزر جاتی ہے۔ اسطرح ذیلی دفعہ نمبر 3 کے مطابق شوہر اپنے بیوی کو معلق رکھ سکتی ہے جبکہ قرآنی حکم کے مطابق ابھی وہ آزاد ہو چکی ہے۔ لہذا معلق رکھنا ایک بہت بڑا ظلم ہے۔ عدالت کی رائے میں

---

29 الاحزاب آیت 49۔

30 الطلاق آیت 4

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ذیلی دفعہ نمبر 5 کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جو کہ ابعد الا جلین سے متعلق ہے ۔ لہذا عدالت کی رائے میں دفعہ نمبر 7 کے ذیلی دفعات نمبر 3 اور نمبر 5 قرآن اور سنت سے متصادم ہے۔[31]

وفاقی شرعی عدالت کے سامنے پیش ہونے والے مقدمات کی اکثریت زناء اور حدود آرڈیننس سے تعلق رکھتی ہے ۔ زناء، اغواء اور شراب نوشی جیسے معاملات میں بھی وفاقی شرعی عدالت نے اضافی اجتہاد کی بے شمار مثالیں قائم کی ہیں۔ اور عقلی فقہی اور عملی دلائل دے کر ایسی ایسی اجتہادی آراء قائم کی ہیں۔ جو جدید دُور کے تقاضوں پر بھی پورا اترتی ہیں۔ اور اسلامی تعلیمات کے دائرے سے باہر بھی نہیں جاتیں۔

صفیہ بی بی کیس

عدالت نے اس فوجداری مقدمے میں زنا بالجبر سے متعلق فقہاء کی آراء کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد فقہائے کے وضع کردہ اجتہادات کو اپنے فیصلے کا بنیاد بنایا اور قرار دیا کہ اصول یہ ہے کہ اگر کوئی عورت دعویٰ دائر کرے کہ اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا ہے تو اسے زنا کی سزا نہیں دی جائے گی۔[32] امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کوئی غیر شادی شدہ لڑکی بچے کو جنم دے اور یہ دعویٰ کرے کہ یہ بچہ زنا بالجبر کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے تو اسے زنا کی سزا نہیں دی جائے گی[33] ابن قدامہؒ نے کہا ہے کہ جس عورت کے ساتھ جبری زنا کیا جائے، اس پر حد نہیں ہے[34] عدالت نے اپیل منظور کرتے ہوئے مستغیثہ / ملزمہ کو جرم سے بری کر دیا۔[35]

اس فیصلے میں وفاقی شرعی عدالت نے واضح طور پر قرار دیا کہ اگر کوئی عورت زنا بالجبر کا دعویٰ دائر کرے اور ملزمان کے خلاف ثبوت پیش نہ کر سکے تو عدالت اس مجبور عورت پر سزا نافذ نہیں کرے گی ۔

زعفران بی بی کیس:

اس فیصلے میں چند اہم اصولوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ اصول صحابہ کرام اور علمائے متقدمین کے فیصلوں سے اخذ کیے گئے ہیں ۔

1۔ اگر زنا کا کوئی اور ثبوت نہ ہو اور میاں بیوی کی ملاقات کا امکان ہو تو حد زنا جاری نہیں کی جائے گی ۔

2۔ اس فیصلے میں عورت کی مجبوری کا پوری طرح لحاظ رکھا گیا ہے اور حدیث پر پوری طرح عمل کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "حدود کو شبہات سے ساقط کرو" اور اگر مجرم کو معاف کرنے کی کوئی وجہ نکل سکتی ہو تو اس کو معاف کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔[36]

چند دوسرے اہم فیصلے جن میں وفاقی شرعی عدالت نے اسلامی شریعت کے چند بنیادی اصول ذکر کیے ہیں۔ یہ اصول ماتحت عدالتوں کے لیے راہنما اصول ہیں جن کی پاس داری کرنے سے مقدمات کو نمٹانے میں سنگین غلطیوں کا تدارک کیا جا سکتا ہے۔ جن کو ذیل میں ملخصاً پیش کیا جاتا ہے ۔

---

[31] Allah Rakha and other Vs Federation of Pakistan and anothers, PLD 2000 FSC 1

[32] عبد الرحمن الجزیری، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، اردو ترجمہ منظور احسن عباسی (محکمہ اوقاف لاہور) جلد 5، ص 144-147۔

[33] ظفر احمد عثمانی، اعلاء السنن، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، جلد 11، ص 444 بدایۃ المجتہد، ج 2، ص 329۔

[34] ابن قدامہ المقدسی، المغنی، جلد 8، ص 184۔

[35] Mst. Safia Bibi Vs. the State,NLR 1985,SD,145.

[36] Mst. Zafran Bibi Vs The State. PLD. 2002,FSC-1.

حرف و سخن HARF-O-SUKHAN Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

الف۔ زنا کے لیے شروعات معصیت قابل تعزیر ہے، مثلاً یہ کہ ملزم نے مستغیث کی شلوار اتاری تھی۔ یہ صرف اس حد تک جرم شمار ہو گا اور یہ گواہی قابل اعتبار ہو گی۔[37]

ب۔ میڈیکل رپورٹ شکایت کنندہ کے بیان کی پوری تصدیق کرتی ہو۔ اگر خاندانی عزت کی وجہ سے ایف آئی آر میں تاخیر کی گئی ہو تو یہ قابل معافی ہے۔[38]

ج۔ پولیس بغیر ثبوت کے کسی کے گھر میں اس شبہ کی بنیاد پر داخل نہیں ہو سکتی کہ یہ زناخانہ ہے۔ یہ آئین کے آرٹیکل 14 کی صریح خلاف ورزی ہے۔[39]

د۔ جس عورت کا شوہر جیل میں ہو، اس کے ہاں بچے کی ولادت ہو جائے اور شوہر بچے کے صحیح النسب ہونے کا اقرار کرے تو اسے درست تسلیم کیا جائے گا۔ باپ اپنے بچے کے بارے میں بہترین تصدیق کنندہ ہے۔[40]

ھ۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلوں میں قرار دیا ہے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد کے خلاف زنا بالجبر کا دعویٰ کرے تو لازم ہے کہ عدالت اس امر کا جائزہ لے کہ کیا مستغیثہ کے جسم پر ایسے نشانات بھی ہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ جرم کا ارتکاب اس کی مرضی سے نہیں ہوا ہے، مثلاً اس کے جسم پر کوئی زخم ہو یا اس کے کپڑے پھاڑ دیئے گئے ہوں۔[41]

ز۔ اگر لڑکی کے ساتھ زنا بالجبر کیا جائے تو اسے سزا نہیں دی جائے گی۔[42]

ح۔ وفاقی شرعی عدالت نے طارق مسیح کیس میں ٹرائل کورٹ کے فیصلے کو غلط قرار دیتے ہوئے اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ عدالت برائے ابتدائی سماعت، موضوع کے متعلق شریعت کے احکام سے واقف نہیں ہے اس لیے وہ غلط نتیجے تک پہنچی ہے۔[43]

ط۔ شریک جرم کا اقراری بیان دوسرے شریک کے بارے میں ناقابل قبول ہے۔[44]

ی۔ صرف ایک مرتبہ اقرار کرنے پر سزا نہیں دی جائے گی۔ اقرار چار مرتبہ ضروری ہے جس میں مناسب وقفہ ہو اور ہر مرتبہ ملزم سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اقرار سے رجوع کر سکتا ہے۔[45]

ک۔ عدالت سے باہر اقرار کی کوئی حیثیت نہیں۔[46]

ل۔ عدت کے دوران نکاح فاسد ہے اور قابل تعزیر ہے۔[47]

---

[37] Chiragh and another Vs. The State,PLD 1997,FSC 1.

[38] PLD 1997, FSC 123.

[39] Muhammad Javaid and 6 others Vs. The State, PLJ 2001,FSC, 62.

[40] پی۔ ایل۔ ڈی 2002ء ایف ایس سی۔ 1

[41] 2004ء پی۔ سی آر۔ ایل۔ جے 2001ء ایس ڈی۔ 32

[42] Mst. Safia Bibi Vs. the State,PLD 1985,FSC 120

[43] Tariq Mashih Vs The State,2004 SD 443.

[44] PLD 1981,FSC 224

[45] Mohammad Imtiaz and another Vs The State,PLD 1981,FSC 308.

[46] Mohammad Sarwar and another Vs. The State,PLD 1988,FSC-42.

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

م۔ زنا سے حمل ٹھہرنے پر کسی دوسرے شخص سے نکاح صحیح ہے لیکن دوران عدت وہ مزنیہ بیوی سے مجامعت نہیں کرے گا۔[48]

ن۔۔ثبوت یا عقد نکاح میں شبہ پیدا ہو تو حد زنا نافذ نہیں کی جائے گی۔[49]

س۔ مطلقہ کی کم سے کم مدت عدت 39 دن ہے۔اگر مطلقہ حلفیہ بیان دے کہ اس کی عدت مکمل ہو گئی ہے تو اس مدت کے بعد اس کا نکاح درست تسلیم کیا جائے گا۔[50]

ع۔ دو گواہوں کی موجودگی صحت نکاح کیلئے لازمی ہے تاہم اگر مرد اور عورت دونوں اپنے نکاح کی تصدیق کریں تو گواہان کا پیش کرنا ضروری نہیں ۔

ف۔ نکاح کا رجسٹر ہونا شرعی طور پر نکاح کی صحت کے لئے لازمی نہ ہے۔[51]

ص۔ اگر شوہر بیوی پر الزام لگائے اور بیوی صحت جرم سے انکار کرے تو کورٹ پر لعان کی کارروائی عمل میں لانا لازم ہے۔[52]

ق۔ ابتدائی رپورٹ بموجب دفعہ 35 قانون شہادت۔شہادت کے طور پر قابل قبول ہے جب کہ رپورٹ کنندہ فوت ہو چکا ہو اور رپورٹ درج کرنے والا اس تحریر کی تصدیق کرے ہر دو ملزمان کا ایک ساتھ رہنے کا فوٹو جو دوران تفتیش ملزمان کے قبضے سے بر آمد ہوا۔ہر دو ملزمان کا ایک ساتھ برضا و رغبت رہنے کا ثبوت ہے۔[53]

ر۔ ایک مطلقہ بہن کی عدت کے دوران دوسری بہن سے نکاح جمع بین الاختین کے مماثل و مترادف ہے۔جمع بین الاختین بروئے قرآن حرام، ناجائز و موجب تعزیر ہے۔لیکن اجراء حد زنا کے لائق نہیں۔[54]

ش۔ مسلمان عورت کا نکاح کسی غیر مسلم سے جائز نہیں چاہے وہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہو۔[55]

ت۔ عدت کے دوران دوسرا نکاح فاسد ہے اور قابل تعزیر سزا بھی ہے۔[56]

ث۔۔رضاعت کے بارے میں رضاعی ماں کے بیان کی حیثیت ہی قابل اعتماد تصور ہو گی۔[57]

خ۔ سرکاری ملازم اگر کسی وجہ سے معطل کیا جاتا ہے تو معطلی کے دوران اسے تنخواہ ملے گی۔[58]

---

47 Mohammad Naseer Vs The State,PLD1988,FSC-58.

48 مسماۃ کندن مائی بنام سرکار،پی۔ایل۔ڈی 1988ء ایف ایس سی۔89

49 Mst. Sakina etc Vs The State, PLD 1981,FSC-320.

50 Jaffer Hussain Shah etc. Vs The State,1994 SD-222.

51 Arif Hussain, Azra Perveen V The state (PLD 1982 FSC 42)

52 Afadat etc V Riasat (PLD 1982 FSC 52)

53 Mst. Khananul Haq V The State (PLD 1982 FSC 126)

54 Muhammad Arif V The State (PLD 1982 FSC 292)

55 Sardar Masih V Haider Masih (PLD 1988 FSC 78)

56 Mas. Kundun Mai V. The State ((PLD 1988 FSC 89)

57 Muhammad Amen V. Mehrunnisa ((PLD 1988 FSC 100)

58 MLD 1991 FSC 2613.

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ذ۔ کورٹ فیس لینا خلاف اسلام ہے۔[59]

خاتمہ

یہ تحقیق، پاکستان کے قانونی framework کے اندر، فیڈرل شرعی عدالت کے فقہی نقطہ نظر کے بارے میں قیمتی بصیرت فراہم کرتی ہے۔ یہ تحقیق، رہنما اصولوں، عدالت کی تشکیل، اور شریعت کے اصولوں کی عمل درآمد کے جائزے کے ذریعے، شریعت کے فقہ اور وسیع تر قانونی نظام کے درمیان پیچیدہ تعلق کو واضح کرتی ہے۔ ماہرین کے انٹرویوز، عدالتی فیصلوں کے تجزیے، اور لٹریچر ریویو جیسے معیاری تحقیقی طریقوں کے استعمال سے، اس تعلق کی گہری سمجھ حاصل کی گئی ہے۔ یہ نتائج، جدید قانونی تناظر میں شریعت کے نفاذ پر علمی بحث میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں اور پاکستان میں قانونی framework اور شریعت کے فقہ کے درمیان اتفاق اور اختلاف کے شعبوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ آئندہ کے لیے، یہ بصیرتیں، پاکستانی قانونی نظام کے اندر شریعت کے پیچیدگیوں میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے قانونی ماہرین، پالیسی سازوں، اور اسکالرز کی مدد کر سکتی ہیں۔

[59] PLD 1992 FSC FSC 195